محبت کی نشانیاں[1]

از قلم پیر طریقت رہبر شریعت شیخ المشائخ حضرت علامہ مولانا محمد طاہر بخشی نقشبندی مجددی عباسی حنفی، المعروف محبوب سجن سائیں مدظلہ العالی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ۔۔۔۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

(ترجمہ) کہہ دیجئے (اے نبی ﷺ) کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو پھر میری پیروی کرو، اللہ تمہارے ساتھ محبت کرے گا اور بخشے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

شان نزول

ابن المنذر اور ابن جریر نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے کہا کہ "اے محمد ﷺ! اللہ کی قسم! ہم اپنے رب سے محبت کرتے ہیں۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ بعض روایات کے مطابق نجران کے وفد نے کہا تھا کہ ہم مسیح علیہ السلام کی پوجا اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ قریش کے مشرکوں نے بیت اللہ شریف میں بت نصب کر رکھے تھے، ان بتوں

---

1 یہ مضمون الطاہر شمارہ ۱۸ برائے نومبر ۱۹۹۸، صفحہ ۱۳ تا ۱۶ میں شایع ہوا۔

پر شتر مرغ کے انڈے لٹکا رکھے تھے اور ان کے کانوں میں بالیاں پہنا رکھیں تھیں اور ان کو سجدہ کرتے تھے۔ اسی حالت میں حضور نبی کریم ﷺ وہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم! اے قریش تم نے اپنے باپ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے طریقہ کی مخالفت کی۔ قریش نے کہا: ہم ان کی عبادت محض اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاطر کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا تقرب عطا کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ امام بغوی کی روایت کے مطابق جب یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُاللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ یعنی ہم تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار اور اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور فرزند ہیں، ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ کسی نئے نبی کی امت میں داخل ہو جائیں۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ کے اس دعویٰ کے جواب میں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں، اس کے سچے ہونے کے لئے اتباع نبوی ﷺ کا مطالبہ کیا گیا کہ اگر تم اپنے دعوے کے ساتھ اتباع نبی آخر الزمان کررہے ہو تو پھر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ نہ صرف اتنا بلکہ اتباع نبی آخر الزمان ﷺ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ محبت کرے گا، اور اے یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ! پھر اللہ تعالیٰ تمہارے گذشتہ سب گناہ معاف فرما دے گا۔

اس آیت کریمہ سے پہلے کی آیات میں یہودیوں کے رذیل اعمال اور بدکاریوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان نافرمانیوں کے باوجود وہ خود کو عاشق خدا اور اللہ کا بیٹا کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان کے دعویٰ کی تردید فرمائی کہ تمہارا دعویٰ بغیر دلیل کے قابل قبول نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول کا اتباع کرو۔ اگر تم نے دل و جان سے رسول اللہ ﷺ کا اتباع کیا تو پھر نہ صرف تمہارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہیں سب سے بڑی نعمت کا حقدار بنائے گا کہ تم "محبوب الٰہی" کے شرف و شان سے مشرف کیے جاؤ گے۔

لفظ تُحِبُّوْنَ کی لفظی تحقیق

یُحِبُّوْنَ مضارع کا صیغہ ہے۔ اس کے مصادر مختلف اوزان پر آتے ہیں جس طرح: حب، حِبّ، حُبَاب، حِبَاب، مَحَبّۃ۔ اس کا ماضی اَحَبّ اور مضارع یُحِبُ، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں بھی موجود ہے اور اسم مفعول محبوب آتا ہے۔ مُحَبُ اسم مفعول کم استعمال ہوتا ہے۔ باب ضرب سے حَبَبتُه بر وزن ضَرَبتُه اور اَحِبُّه بر وزن اَضرِبُه سے ہے۔

محب کے معنٰی اور مفہوم

وَهُوَ عِبارَةٌ عَنْ اِشْتِغَالُ قَلْبِ الْمُحِبِّ بِالْمَحْبُوْبِ وَاُنْسُهٗ بِهٖ بِحَيْثُ يَمْنَعُهٗ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ اِلیٰ غَيْرِهٖ وَلَا يَكُوْنُ لَهٗ بُدٌّ مِنْ دَوَامِ التَّوَجُّهِ اِلَيْهِ وَالْاِشْتِغَالِ بِهٖ

(ترجمہ) محبّ کے قلب کا محبوب کے ساتھ اتنا مشغول اور مانوس ہونا کہ غَیر کی طرف کوئی توجّہ ہی نہ رہے اور مُحبّ کے لئے محبوب کی طرف توجہ رکھنے اور اس کے ساتھ مشغول رہنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہے۔ اور یہی مطلب اس قول کا بھی ہے: اَلْعِشْقُ نَارٌ يَحْتَرِقُ مَا سِوَى الْمَحْبُوْبِ (ترجمہ) عشق ایک آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ یعنی قلب کی توجہ کو ہر طرف سے منقطع کر دیتی ہے اور اس طرح غیر کے تعلق کو مٹا دیتی ہے، گویا کہ اس کا وجود ہی نہ تھا۔ یہاں تک کہ اسے اپنا وجود بھی نظر نہیں آتا۔ پس جس طرح غیر اس کی نگاہ سے غائب ہو جاتا ہے، اسی طرح اپنا وجود بھی اس کی نگاہ سے محو ہو جاتا ہے۔ اس عشق اور محبت والی صفت سے متصف ہو جانے کے بعد عاشق کو بھی وہی پسند ہوتا ہے جو محبوب کو پسند ہوتا ہے، اور جو چیز محبوب کو ناپسند ہوتی ہے، اس کو اس سے طبعی نفرت ہوجاتی ہے۔ اسے ثواب کا کوئی لالچ نہیں ہوتا اور نہ ہی عذاب و عتاب کا کوئی خوف رہتا ہے۔ یہ بندہ کی محبت کی حقیقت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت بندہ کے ساتھ ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ قلب اور اس کے اشتغال سے پاک ہے۔ (یعنی کسی طرف ایسا مشغول ہو جانا کہ کسی اور طرف توجّہ ہی نہ رہے) اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی توجہ کسی بھی طرف نہیں کہ دوسری جانب توجّہ ہی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت

اُنس کا نام ہے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کے حضور کی جانب کھینچ لیتا ہے اور غیر کی طرف بندہ کو جھکنے اور مائل ہونے نہیں دیتا، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندہ کی محبت اللہ تعالیٰ ہی کی کشش کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بندہ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت (کشش) کی ٹہنی اور اس کا سایہ ہوتی ہے۔ اصل محبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ (طٰہٰ آیت ۳۹ پ ۱۶) (ترجمہ) اور (اے موسیٰ!) میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی۔ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ۔ یہاں یُحِبُّھُمْ (وہ ان سے محبت کرتا ہے) کو یُحِبُّوْنَہٗ (بندے اس کے ساتھ محبت کرتے ہیں) سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں محبت ذاتیہ کی یہ تعریف بیان کی ہے۔ مگر بیضاوی نے محبت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ان المحبۃ میل النفس الیٰ الشی بکمال ادرک فیہ بحیث یحملہ ما یقربہ الیہ یعنی کسی شخص کا کسی میں کمال دیکھ کر اس کی طرف مائل ہونا اور ان اشیاء کو اختیار کرنا جو اسے اپنے محبوب سے قریب کرتی ہوں۔ اس کے میلان اور جھکاؤ کا نام محبت ہے۔ تفسیر بیضاوی کی بیان کردہ تعریف کے بارے میں حضرت پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ صفاتی محبت کی تعریف ہے، جو ذاتی محبت سے کئی مراحل پیچھے ہے۔ دیکھا جائے تو ماں کی محبت بچے کے ساتھ اس وجہ سے نہیں ہوا کرتی کہ اس کے اندر اسے ایسا کوئی کمال نظر آتا ہو۔ ماں کی یہ محبت، محبتِ ذاتیہ سے نزدیک تر ہے، لیکن محبتِ ذاتی بعینہ نہیں۔ کیونکہ ماں کی محبت کا سبب یہ ہے کہ ماں کو معلوم ہے کہ یہ میرا بچہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اس سے بلند و بالاتر ہے۔ بخاری مسلم میں حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت وارد ہے کہ لِلّٰہِ تَعَالیٰ مِأۃُ رَحْمَۃٍ وَاحِدَۃٌ قَسَّمَھَا بَیْنَ الْخَلَائِقِ یَتَرَاحَمُوْنَ بِھَا وَادَّخَرَ لِاَوْلِیَائِہٖ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں اس میں سے ایک رحمت مخلوق میں تقسیم فرما دی ہے، جس کی بنا پر مخلوق آپس میں محبت کرتی ہے۔ باقی ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کے لئے رکھی ہیں (جن کا ظہور اولیاء اللہ کی طرف سے قیامت کے دن گنہگاروں کی شفاعت کی صورت میں ہوگا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم)

مندرجہ بالا محبت کی تفسیر کے ضمن میں اولیاء اللہ کے اقسام بھی تحریر کیے جاتے ہیں۔

حضرت مجدد منور الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مبدأ و معاد میں اولیاء کے دو اقسام بیان فرمائے ہیں: ایک مجذوب سالک اور دوسرا سالک مجذوب۔ وما سواھما لیس بکامل و مکمل۔ مجذوب سالک اور سالک مجذوب کے سوا اور کوئی نہ کامل ہے اور نہ مکمل۔ یہاں دونوں اصطلاحات کے معنیٰ اور مفہوم کو سمجھنا ضروری ہے۔

جذب

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے دل میں کشش اور انس کا پیدا ہونا (مزید تفصیلات اوپر ذکر کی گئیں)۔ یہ نعمت فضلی و وہبی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ یہ عظیم مقام محنت، ریاضت، چلہ کشی یا فاقہ کشی کے ذریعہ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا جائے تو ہر عبادت اور تقویٰ سے افضل تر ہے۔ الجذبۃ من جذبات اللّٰہ خیر من عبادۃ الثقلین

ایں سعادت بزور بازو نیست، تا نبخشد خدائے بخشندہ

سلوک

سلوک نفسانی خواہشات کی نفی کا نام ہے۔ اس میں طالب کی محبت کو دخل ہوتا ہے۔
حضرت شیخ المشائخ بہاؤ الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: اسم الذات یناسب الجذبۃ والنفی والاثبات یناسب السلوک۔ ذکر اسم ذات جذب سے مناسبت رکھتا ہے اور ذکر نفی اثبات سلوک سے مناسبت رکھتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد منور الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے جمیع مشائخ کا یہ طریقہ تھا کہ شروع میں طالب کو ذکر نفی اثبات کی تلقین کرتے تھے اور اس کے تزکیہ نفس پر توجہ دیتے تھے تاکہ تمام خواہشات نفسانی کی نفی ہوجائے، اس کے بعد اسم ذات کی تلقین فرماتے تھے۔ یعنی طالب کے سلوک کو جذب پر مقدم رکھتے تھے۔ مگر امام ربانی

مجدد منور الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ شروع میں لطیفہ قلبی میں ذکر اسم ذات کی تلقین فرماتے تھے، جس کی وجہ سے طالب کے قلب پر صفاتی تجلی ہوتی تھی، اس وجہ سے اس کے ذوق و شوق میں اضافہ ہو جاتا تھا، اور بعد میں نفی اثبات ذوق کے ذریعہ منازل سلوک طے کرواتے تھے۔ اس طریقہ سے شروع میں مبتدی طالب کو لطیفہ قلب پر صفاتی تجلی کی صورت میں جذب من اللہ حاصل ہوتا ہے اور بیچ میں سلوک طے ہوتا ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلی کی صورت میں منتہی کو جذب نصیب ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا صورت کے مطابق مشائخ نقشبندیہ نے فرمایا ہے کہ حضرات نقشبند کی سیر مدوّر (گول) ہے اور دوسرے فریقوں کی سیر لمبی اور مستطیل ہے۔

طریقہ نقشبندیہ کی سیر کا نقشہ

مذکورہ بالا نقشہ کے مطابق طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی سیر قلب سے شروع ہوتی ہے اور قلب پر منتہی ہوتی ہے۔ مبتدی اور طالب کو جذب حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرے طریقوں میں جذب سلوک طے کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے طریقہ نقشبندیہ کو اندراج النہایہ فی البدایہ کا شرف حاصل ہے۔ یعنی دوسرے طریقوں کی انتہا اس طریقہ کی ابتدا میں رکھی ہوئی ہے۔ اس طریقہ عالیہ میں طالب کو پہلے قلب سے چلاتے ہیں جس میں اسے جذب پیدا ہوتا ہے، بعد میں اس کا سلوک پورا کراتے ہیں اور پھر اسے قلب میں لاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ابتدا میں بھی جذب حاصل ہوتا ہے اور پھر انتہا میں بھی جذب حاصل ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جو ایک جذب مبتدی کا ہے، وہ سلوک طے ہو جانے کے بعد بے بقا ہوتا ہے۔ اور دوسرا جذب منتہی کا ہوتا ہے، اس جذب کا نور اور اثر پائدار ہوتا ہے۔ سلوک طے ہونے سے پہلے قلب پر صفاتی تجلی کے وارد ہونے کی وجہ سے جذب حاصل ہوتا ہے، اور صفاتی تجلی بجلی کی طرح ہوتی ہے، اس وجہ

سے یہ جذب بھی بے بقا ہوتا ہے۔ مگر سلوک طے کرنے کے بعد، طالب کے قلب پر ذاتی تجلی کی وجہ سے جذب حاصل ہوتا ہے اور ذاتی تجلی بقادار ہوتی ہے، اس وجہ سے اس جذب کو بھی بقا حاصل ہوتا ہے۔

جذب کا اثر جب وجود پر پڑتا ہے تو اسے وجد کہا جاتا ہے۔ اس حالت میں غیر ارادی، بے اختیاری حرکتیں سرزد ہوتی ہیں، مثلاً دوڑنا، ناچنا وغیرہ۔ سلوک میں جب خواہشات کی نفی ہوتی ہے تو باطن میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے کافی مدارج ہیں۔ (انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کبھی ان پر بھی لکھا جائے گا)۔ الغرض جذب سے تصفیہ قلب حاصل ہوتا ہے اور سلوک سے تزکیہ نفس۔ دوسرے الفاظ میں مجذوب سالک یا سالک مجذوب اسے کہا جاتا ہے جسے تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس حاصل ہو۔ لیکن جس شخص کو جذب پہلے حاصل ہوا ہو (مجذوب سالک) اس کی شان اور مرتبہ سالک مجذوب سے اونچا ہے۔ امام ربانی مجدد منور الف ثانی حضرت خواجہ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب معارف لدنیہ میں مندرجہ بالا فریقین کا تقابلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سالک مجذوب، مجذوب سالک سے معرفت میں زیادہ ہوتا ہے، مگر محبت میں اس کے برعکس۔ یعنی مجذوب سالک، سالک مجذوب کی بہ نسبت، محبت میں زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ابتدا سے آخر تک خاص محبت کے ساتھ مجذوب سالک کی تربیت کرتا ہے، اور خاص مہربانی کے ساتھ اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

سالک مجذوب کو حاصل ہونے والی معرفت سے وہ معرفت مراد ہے جو اشیائے کونیہ (اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام اشیاء) اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ اضافیہ کی معرفت سے متعلق ہے۔ لیکن وہ معرفت جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھتی ہے، وہ حیرت پر مشتمل ہے۔ وہ معرفت جو صفات ذاتیہ موجودہ (اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات، نہ کہ اضافی صفات) اور اشیاء ذاتیہ اعتباریہ سے تعلق رکھتی ہے، مجذوب سالک اس کا زیادہ حقدار ہے اور اس کی تفصیل سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ مگر وہ معرفت جو مقامات عشرہ جیسا کہ زہد، توکل، صبر، رضا وغیرہ کے بارے میں ہیں، سالک مجذوب اس کا زیادہ حقدار ہے اور اس کی تفصیل کی زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ان مقامات کو مفصل

طریقہ سے طے کرتا ہے اور درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے اور ہر مقام کے دقائق کو تفصیل سے جانتا ہے۔ جبکہ ان مقامات کو مجذوب سالک اجمالاً طے کرتا ہے، اس لئے ہر مقام کا خلاصہ اور ماحصل اسے حاصل ہوتا ہے جو سالک مجذوب کو ہوتا ہے۔ پھر سالک مجذوب ظاہر اور صورت کے اعتبار سے مقامات میں اتم نظر آتا ہے اور مجذوب سالک زبدہ اور خلاصہ کے اعتبار سے اکمل (زیادہ کامل) ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ظاہری صورت دیکھنے والوں نے گمان کیا کہ اول شخص (سالک مجذوب) زہد، توکل، صبر، رضا کے مقامات میں دوسرے (یعنی مجذوب سالک) کے مقابلہ میں زیادہ کامل اکمل ہے اور نہیں جانتے کہ دوسرے کی رغبت، کمال زہد کے منافی نہیں ہے۔ اسی طرح اسباب کے ساتھ اس کا تعلق کمال توکل کے منافی نہیں ہے اور اس میں کراہت کا موجود ہونا رضا کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اس (مجذوب سالک) کی رغبت اللہ کے لئے ہے اور اسباب کے ساتھ اس کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اسی طرح اس میں کراہت کا ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، کیونکہ یہ تمام اوصاف اس میں خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں۔ وہ دنیا سے رغبت بھی اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے نہ کہ کسی اور مقصد کے لئے۔ اگرچہ بظاہر اس کی رغبت اپنے نفس کے لئے ہو، مگر چونکہ اس کا نفس بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے، اسی وجہ سے اس کی رغبت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہوگی۔ سلوک طے کرنے کے بعد جب اس کی ذاتی نفسانی خواہشات ختم ہو چکیں تو اب ہر خواہش کی محرک منشائے ایزدی ہی رہے گی نہ کہ کوئی اور ذات۔